REGD No L 5254

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا

الفضل

روزنامہ

لاہور

ٹیلیفون نمبر ۲۹۷

خطبہ نمبر ۲۳

شرح چندہ
سالانہ ۲۴ روپے
ششماہی ۱۳ ”
سہ ماہی ۷ ”
ماہوار ۲½ ”

فی پرچہ ۱ ر

یوم یک شنبہ

۱۰ شوال ۱۳۷۰ھ

جلد ۳۹/۵ | ۱۵ وفا ۱۳۳۰ ہش - ۱۵ جولائی ۱۹۵۱ء | نمبر ۱۶۳

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

محامد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

”اور خدا کے ذکر کے درختوں کو شاداب کر دیا۔ ایسے خشک سالی کے سمے میں جو کھیل کے ساتھ دلوں کو مردہ بناتا تھا۔ پس دلوں کی مردہ زمینوں پر نورِ حق پڑا۔ اور شریر لوگ نیزوں سے پارہ پارہ کئے گئے۔ عرب و عجم کے برتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نور قلب سے ظلم و بدعت کا نشان بھی نہ رہا۔“

(ترجمہ از سر الخلافہ)

اخبار احمدیہ

لنڈن (برقیہ) ۱۳ ر جولائی۔ امام مسجد احمدیہ لنڈن چودھری ظہور احمد صاحب باجوہ نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے۔ کہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب آج بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان کے لئے روانہ ہوگئے ہیں۔ آپ اتوار کی صبح کو کراچی پہنچ رہے ہیں۔

ترکی اسرائیل سے سفارتی تعلقات منقطع کرلیگا

دمشق ۱۴ ر جولائی۔ دمشق کے بعض ذرائع کے مطابق اس بات کا امکان پیدا ہو گیا ہے، کہ ترکیہ ایرانی پالیسی کی تتبع کرے۔ اور اسرائیل سے سفارتی تعلقات منقطع کرلے۔ (ا سٹار)

کمیونسٹوں نے جنرل رجوے کی شرائط منظور کرلیں

ٹوکیو ۱۴ ر جولائی۔ کمیونسٹوں نے کیسانگ میں عارضی صلح کی بات چیت کو دوبارہ شروع کرنے کے سلسلے میں جنرل رجوے کی شرائط منظور کرلی ہیں۔ آج اسی سلسلے میں پرونگ یانگ اور پیکن ریڈیو سے یہ نشر کیا گیا۔ کہ وہ کائی سونگ سے فوجیں ہٹا کر اس کے آس پاس کے علاقے کو غیر جانبدار علاقہ قرار دے دیں گے اس کے علاوہ اقوام متحدہ کے بیس اخباری نمائندوں کو بھی کیسانگ آنے کی اجازت دے دی جائیگی۔ ایک ایجنسی کی اطلاع کے مطابق اقوام متحدہ کے نمائندوں کو بیس اخبار نویسوں کو کل کانفرنس میں بات چیت کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جنرل رجوے نے آج اس نشر یہ خبر پر کوئی تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے کہا۔ جب تک مجھے کمیونسٹوں کے جواب کی سرکاری نقل نہ مل جائے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

حیدر آباد (سندھ) ۱۴ ر جولائی۔ آج راولپنڈی کے مقدمہ سازش کی سماعت کے سلسلے میں پہلے گواہ استغاثہ پر ملزموں کے وکلاء کی جرح ختم ہوگئی۔ اور آج سارا دن عدالت سوالات پوچھتی رہی۔ سرکاری وکیل نے آج عدالت کو بتایا۔ کہ پندرھویں ملزم مسٹر محمد حسن عطا بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

لاہور ۱۴ ر جولائی۔ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان یکم اکتوبر ۵۱ء سے کام کرنا شروع کر دیگا۔ امسال صرف پچاس طلبا داخل کئے جائیں گے۔ ایک نشست قبائلی فرقوں کے لئے ہوگی۔ اور چھ ڈیرہ غازیخاں مظفر گڑھ اور میانوالی کے غیر ترقی یافتہ اضلاع کے لئے ہونگی۔

دریائے کنساس میں شدید سیلاب

— لاکھوں آدمی بے گھر ہو گئے —

واشنگٹن ۱۴ ر جولائی۔ دریائے کنساس میں شدید سیلاب آنے کے باعث لاکھوں آدمی بے گھر ہوگئے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ گذشتہ ۱۵ سال میں اس سے قبل وہاں ایسا شدید سیلاب نہیں آیا۔ کنساس شہر کے بھی ۸ ہزار آدمی سیلاب کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہاں پٹرول کی ۸ ٹنکیاں پھٹ جانے سے سیلاب کے پانی میں آگ لگ گئی۔ یہ آگ سیلاب کی تباہ کاریوں میں مزید اضافہ کا باعث بنی ہوئی ہے۔ حکومت نے ہنگامی صورت حال کا اعلان کرتے ہوئے کنساس سٹی اور مسوری کے تمام ملحقہ علاقوں کو خالی کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں رضاکار مصیبت زدگان کو بچانے کے لئے سیلاب زدہ علاقوں کی طرف جا رہے ہیں۔ اندازہ ہے کہ سیلاب کی وجہ سے ۵ لاکھ سے ایک ارب ڈالر تک کا نقصان ہوا ہے۔

گراہم گورمانی ملاقات

راولپنڈی ۱۴ ر جولائی۔ اقوام متحدہ کے نمائندہ کشمیر ڈاکٹر فرینک گراہم نے امور کشمیر کے وزیر مسٹر مشتاق احمد گورمانی سے آج دو مرتبہ ملاقات کی۔ صبح کی ملاقات اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ ان ملاقاتوں کے وقت ڈاکٹر فرینک گراہم کے فوجی مشیر ان کے سکرٹری اور وزارت امور کشمیر کے افسر بھی موجود تھے۔

چترال میں ایک بہت بڑے ہوائی میدان کی تعمیر

پشاور ۱۴ ر جولائی۔ چترال میں ایک بہت بڑا ہوائی میدان تیار ہو گیا ہے۔ جس میں مسافر اور باربردار قسم کے بڑے جہاز بآسانی اتر سکتے ہیں۔ چترال میں ہوائی اڈا تعمیر ہونے سے ریاست میں اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز متوقع ہے اول تو چترال تک پہنچنے کا ایک نیا راستہ کھل گیا ہے۔ پہلے گیارہ ہزار فٹ اونچے درے میں سے گزر کر وہاں جانا پڑتا تھا۔ جس میں موٹریں وغیرہ نہ گذر سکتی تھیں۔ اب نہ صرف سیاح بآسانی آجا سکیں گے۔ بلکہ تجارت کا میدان بھی پہلے کی نسبت بہت وسیع ہو جائے گا۔

یہ علاقہ معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ نیز اون اور پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ پن بجلی بھی بآسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔ حکومت پاکستان ریاست کا معدنی جائزہ لے چکی ہے۔ اور اب کانیں کھودنے کا کام عنقریب شروع ہونے ہی والا ہے۔ تجارت کے علاوہ یہاں کی گھریلو صنعتوں کو بھی بہت فروغ ملے گا۔ اور تیار شدہ مال کو کھپانے کے لئے ریاست سے باہر منڈیاں بآسانی میسر آسکیں گی۔ یاد رہے چترال وہ ریاست ہے۔ جو قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلے پاکستان میں شامل ہوئی تھی۔

درخت کاری کا ہفتہ

لاہور ۱۴ ر جولائی۔ حکومت پنجاب صوبہ میں یکم اگست سے ۷ ر اگست ۵۱ء تک درختکاری کا ہفتہ منا رہی ہے۔ ۱۴ ر اگست کا دن اس ہفتے کا یوم خاص ہوگا۔ دیہات اور قصبوں کے زمینداروں کو چاہیئے۔ کہ جس قدر تعداد میں انہیں اپنے گھروں۔ زمینوں اور دیہات کی شاملات میں درخت لگانے کے لئے شیشم توت اور بکائن کی قلمیں درکار ہوں۔ اسی سے ۲۸ ر جولائی تک اپنے ضلع کے جنگلات کے افسر کو مطلع کر دیں۔ (سرکاری اطلاع)

کرنل محمد اکبر خاں کا نیا اعزاز

راولپنڈی ۱۴ ر جولائی۔ پاکستان فوج کے کرنل محمد اکبر خاں کو بریگیڈیر کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے۔ وہ فوج کی اعلیٰ تربیت حاصل کرنے کے بعد حال ہی میں برطانیہ سے واپس آئے ہیں۔

دفتر خارجہ کے اعتراض پر امریکی کمپنی نے ایران کو تیل بردار جہاز مہیا کرنے کی پیشکش واپس لے لی

واشنگٹن ۱۴ ر جولائی۔ تیل بردار جہازوں کی جس امریکی کمپنی نے ایران کو جہاز مہیا کرنے اور تیل کے سلسلے میں دیگر سہولتیں فراہم کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اس نے اب یہ پیشکش واپس لے لی ہے۔ کمپنی کے ایک ترجمان نے آج اس امر کا انکشاف کیا۔ کہ امریکی دفتر خارجہ نے اس پیشکش پر سخت اعتراض کیا ہے۔ اسی لئے کمپنی اس سلسلے میں اپنے سابقہ اعلان کو واپس لینے پر مجبور ہوگئی ہے۔ یاد رہے کمپنی نے اڑھائی ہزار آدمی بھرتی کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق صدر ٹرومین کے خاص نمائندے مسٹر ہیری مین تیل کے سوال پر برطانیہ اور ایران کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے امریکہ سے طہران روانہ ہو چکے ہیں۔ لندن کے سیاسی حلقوں کا خیال ہے۔ کہ مسٹر ہیری مین کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔ سابق اینگلو ایرانین آئل کمپنی کے ایک اعلیٰ نمائندے مسٹر رچرڈ سیڈن نے جو ان دنوں آبادان میں ہیں کہا ہے کہ مسٹر ہیری مین کی مساعی بار آور ثابت نہیں ہوں گی۔ کیونکہ ڈاکٹر مصدق اپنے مطالبہ سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایران کی مزدور پارٹی کے رہنما مظفر بقائی نے امریکہ*

جز کی مداخلت پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ مصالحت کی کوششیں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ برطانیہ تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لینے کے ایرانی مطالبہ کو غیر مشروط طور پر تسلیم نہیں کر لیتا۔

ایڈیٹر: روشن دین تنویر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے پاکستان ٹائمز پریس لاہور سے چھپوا کر ۳۲ میکلوڈ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

جامعہ نصرت کا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے افتتاح

کالج کی طالبات سے ہمارے آقا کا روح پرور خطاب

تاریخ اسلام کے زریں واقعات کو اپنے سامنے رکھو اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلو

زمانہ کے بدلنے کے ساتھ مت بدلو بلکہ زمانہ کو بدل ڈالنے کی طاقت اپنے اندر پیدا کرو

مرتبہ :- مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل

۱۴ جون ۱۹۵۱ء بروز جمعرات جامعہ نصرت ربوہ کا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے افتتاح ہوا۔ یہ مبارک تقریب ۷ بجے صبح شروع ہو کر ۸½ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ ربوہ کی احمدی خواتین کا ایک جم غفیر اس تقریب سعید کے موقعہ پر دعا کی غرض سے جامعہ نصرت میں جمع تھا۔ حضور کی تشریف آوری پر کالج کی ایک طالبہ امۃ المجید بیگم صاحبہ نے تلاوت قرآن کریم کی۔ اس کے بعد حضور پُر نور نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :۔

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

زمانہ کے حالات بدلتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ انسان بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔ یہ

ایک عام قانون

ہے۔ جو دنیا میں جاری ہے۔ دریا چلتے ہیں اور پہاڑوں اور میدانوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے ان کے بعض حصوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں کچھ دور جا کر دریا کا رخ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ دس دس پندرہ پندرہ، بیس بیس تیس تیس میل تک دریا بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بدلتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ زمانہ بدل جاتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے نظارے ہمیں دنیا میں نظر آتے ہیں۔ کبھی زمانہ کے بدلنے سے انسان بدلتے ہیں۔ اور کبھی انسانوں کے بدلنے سے زمانہ بدلتا ہے۔ انسان کمزور ہوتا ہے تو

زمانہ کے بدلنے سے

وہ بدل جاتا ہے۔ اور جب طاقتور ہوتا ہے تو اس کے بدلنے سے زمانہ بدل جاتا ہے۔ کمزور قومیں اپنی حاصل شدہ عظمت اور طاقت کو زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتی چلی جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہمسایوں سے بد رسوم کو لیتی ہیں۔ اپنے ہمسایوں سے بد اخلاقی کو لیتی ہیں۔ اپنے ہمسایوں سے سستی اور جہالت کو لیتی ہیں۔ اپنے ہمسایوں سے جھوٹ اور فریب کو لیتی ہیں۔ اپنے ہمسایوں سے ظلم اور تعدی کو لیتی ہیں۔ اور وہی قوم جو کسی وقت آسمان پر چاند اور ستاروں کی طرح چمک رہی ہوتی ہے۔ نہایت ذلیل اور حقیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ تم اپنے ہی اسلاف کو دیکھو اگر تمہیں اپنے بناؤ اور سنگار سے فرصت ہو کہ تمہارے اسلاف کیا تھے۔ اور اب تم کیا ہو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کالج کی طالبات نے جب

مضمونوں کا انتخاب

کیا۔ تو ان میں سے اکثر نے تاریخ سے بچنے کی کوشش کی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے۔ جیسے ہم کسی بچہ کو کہیں کہ آؤ ہم تمہیں تمہارے ماں باپ کا نام بتائیں۔ اور وہ بھاگے۔ تاریخ کیا ہے تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارا باپ کون تھا تمہارا دادا کون تھا۔ تمہاری ماں کون تھی تمہاری نانی کون تھی۔ تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد کیا تھے۔ اور اب تم کیا ہو۔ تاریخ سے کسی شخص کا بھاگنا یا اس مضمون کو بوجھل سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد کی بات سننے کے لئے تیار نہ ہو۔ حالانکہ اگر دنیوی لحاظ سے کوئی مضمون ایسا ہے۔ جس کے حصول کے لئے ہمیں لڑنا چاہیئے۔ تو وہ

تاریخ ہی ہے

تاریخ سے بھاگنے کے معنے ہوتے ہیں۔ طبیعت میں مُردہ دلی ہے۔ جیسے کسی کمزور آدمی کو زخم لگ جاتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے مجھے نہ دکھاؤ۔ میں نہیں دیکھتا۔ میرا دل ڈرتا ہے۔ تاریخ سے بھاگنے والی قوم وہی ہوتی ہے۔ جو ڈرپوک ہو جاتی ہے۔ اور ڈرتی ہے۔ کہ اگر میرے ماں باپ کی تاریخ میرے سامنے آئی۔ اور اس میں سے ڈرا بھیانک چہرہ مجھے نظر آیا۔ اور مجھے پتہ لگا کہ میں کون ہوں۔ تو میرا دل برداشت نہیں کرے گا چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس آئینہ میں میری شکل مجھے نظر آئے گی۔ اس لئے وہ اپنی شکل کے خیال اور تصور سے کہ وہ کتنی بدصورت ہوگی۔ اسے دیکھنے سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات

فطرت انسانی

میں داخل ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد اور اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اپنی شکل کا دیکھنا چاہتا ہے۔ کئی ماں باپ جن کے ہاں کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے بدصورت بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان سے ان کی مائیں بھی نفرت کرنے لگتی ہیں۔ اور وہ بدصورت بچے اپنے دوسرے بھائیوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اسی طرح جب

تاریخ میں

انسان اپنے آباء کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے یہ یہ کارنامے سرانجام دیئے۔ اور ان کی یہ شان تھی۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ اور پھر وہ اس چلن اور طریق کو دیکھتا ہے۔ جو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ تو دیانتداری کے ساتھ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ میری غفلت اور میری سہل انگاری اور میری اپنے فرائض سے کوتاہی اور میری عیش و آرام کی زندگی مجھ کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہے۔ اسے تاریخ کے اس آئینہ میں اپنا گھناؤنا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ جب میں پرانے حالات پڑھوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ لوگ جو میرے آباء تھے ان کاموں سے نفرت کیا کرتے تھے۔ تو مجھے بھی اپنے اندر تغیر پیدا کرنا پڑے گا۔ پس وہ اپنے بدصورت چہرہ کو ان کے خوبصورت چہرہ سے ملانے سے گھبراتا ہے۔ اور اس لئے تاریخ سے دور بھاگتا ہے۔ جب

آجکل کا مسلمان

تاریخ کے آئینہ میں یہ دیکھتا ہے کہ اس کے باپ اور ماں ہمالیہ سے بھی اونچے قدوں والے تھے آسمان بھی ان کے دبدبہ سے کانپتا تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ اپنی تصویر کا خیال کرتا ہے۔ کہ بالکل ایک بالشتیہ نظر آتا ہے۔ اور اس کی مثال ایک کارک جتنی بھی نہیں۔ جو دریا میں بہتا چلا جاتا ہے۔ سمندر کی لہریں اٹھتی ہیں۔ اور اس کے آباؤ اجداد کی مضبوط چٹان سے ٹکراتی ہیں۔ اور وہ

بلند و بالا ہونے والی لہریں

جن کو دیکھ کر بسا اوقات انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دنیا کو بہا کر لے جائیں گی ۔ وہ اس کے آباؤ اجداد کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ ان کا پانی جھاگ بن کر رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس چٹان کے قدموں میں

وہ جھاگ پھیل رہی ہوتی ہے۔ ہوا میں بلبلے پھٹ پھٹ کر غائب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کو نظر آتا ہے۔ کہ اس کے آباء و اجداد کی کیا شان تھی۔ پھر وہ اپنی طرف دیکھتا ہے۔ کہ ایک چھوٹی سی ندی جس ... حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ اس میں وہ

ایک کارک کی طرح

اِدھر اُدھر پھر رہا ہے۔ کبھی وہ کسی چٹان سے ٹکراتا ہے۔ اور کبھی کسی سے۔ کبھی دائیں طرف چلا جاتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ کبھی وہ خس و خاشاک کے ڈھیروں میں چھپ جاتا ہے اور کبھی گندی جھاگ میں۔ اور ہر شخص اس کی لرزتی اور کپکپاتی ہوئی حالت کو دیکھ کر اس سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے۔ اور کہتا ہے یہ کیا ہی ذلیل چیز ہے۔

تاریخ سے بھاگنے والا

وہی بزدل ہوتا ہے۔ جس میں یہ جرأت نہیں ہوتی۔ کہ وہ حقائق کے آئینہ میں اپنے باپ دادا کی شکل کے سامنے اپنی شکل رکھ سکے۔ بہادر اور ہمت والا انسان خود جاتا ہے۔ اور اس آئینہ کو اٹھاتا ہے۔ وہ اس آئینہ میں اپنی شکل کو دیکھ کر اپنے

مستقبل کا فیصلہ

کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ہاں میرے آباء و اجداد اگر چٹان تھے تو میں بھی چٹان بن کر رہوں گا وہ اگر طوفان تھے۔ تو میں ان سے بھی اونچا طوفان بنوں گا۔ وہ اگر سمندر کی لہروں کی طرح اٹھتے تھے۔ تو میں ان سے بھی اونچا اٹھوں گا

تم جانتی ہو

کہ وہ لڑکی جس کے نمبر کلاس میں زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نمبروں کو چھپاتی نہیں۔ بلکہ ہر ایک کو بتاتی ہے۔ نمبروں کا بتانا ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے انسان کا اپنا منہ دکھانا۔ وہ اپنا اندرونہ دکھاتی ہے۔ اور جس کے نمبر کم ہوتے ہیں۔ وہ ان کو چھپایا کرتی ہے۔

پس تاریخ کے پڑھنے سے گریز درحقیقت

بزدلی کی علامت

ہے۔ درحقیقت یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اپنے مکروہ چہرے کا پتہ ہے۔ اور اس شخص کو اپنے آباء و اجداد کے حسین چہرے کا بھی پتہ ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کے معلوم ہونے کے بعد وہ یہ جرأت نہیں رکھتا۔ کہ ایک آئینہ میں دونوں کی اکٹھی شکل دیکھ سکے۔

یہاں تک تو میں نے صرف عام پیرایہ میں اس مضمون کی اہمیت بیان کی ہے اگر

مذہبی پہلو لے لو

تو تاریخ ہی ایک مسلمان کو بتا سکتی ہے کہ کس طرح ایک ریگستان سے ایک انسان اٹھا اور اس نے اپنی مقناطیسی قوت سے اپنے اردگرد کے فولادی ذرّوں کو جمع کرنا شروع کیا پھر

تھوڑے ہی عرصہ میں

وہ ایک علاقہ میں پھیل گیا۔ پھر ملک میں پھیل گیا پھر زمین کے تمام گوشوں میں چپے چپے پر اس کی جماعت پھیل گئی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ ان کا نام بررہ اور سفرہ رکھا ہے یعنی ان کے قدم گھر میں ٹکتے ہی نہیں تھے۔ دنیا کے گوشوں گوشوں میں پھیلتے چلے جاتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے اپنی خوش اخلاقی اور اعلےٰ درجہ کے چلن کی خوشبو پھیلاتے جاتے تھے۔ لیکن کجا وہ

پھیلنے والا مسلمان

اور کجا آج کا سمٹنے والا مسلمان۔ کجا وہ زمانہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ میں فرمایا کہ مردم شماری کرو۔ اور دیکھو کہ اب کتنے مسلمان ہو چکے ہیں۔ مردم شماری کی گئی اور مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو نکلی تم جانتی ہو کہ

ربوہ کی آبادی

اس وقت اڑھائی ہزار کے قریب ہے گویا تمہاری ربوہ کی آبادی کا ⅓ حصہ تھے۔ اور یہ وہ مردم شماری تھی جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی تھی۔ کیونکہ اس وقت مدینہ سے باہر مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ سوائے حبشہ کے کہ وہاں کوئی پچاس کے قریب مسلمان ہوں گے یا مکہ میں کچھ مسلمان تھے۔ جو ڈر کے مارے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور کھلے بندوں اسلام میں شامل نہیں تھے۔

غرض مردم شماری کی گئی اور

سات سو کی آبادی

نکلی۔ وہ صحابہؓ جن کے سپرد یہ کام تھا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسلمانوں کی آبادی سات سو نکلی ہے۔ پھر انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مردم شماری کا حکم کیوں دیا تھا؟ کیا آپ کو یہ خیال آیا کہ مسلمان تھوڑے ہیں۔ یا رسول اللہ اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں اب ہمیں دنیا سے کون مٹا سکتا ہے۔

آج کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمان ساٹھ کروڑ ہیں لیکن اُن

ساٹھ کروڑ کا دل

اتنا مضبوط نہیں۔ جتنا ان سات سو کا دل مضبوط تھا۔ آخر یہ تفاوت جو دلوں کے اندر ہے۔ تمہیں اس کا کس طرح پتہ لگ سکتا ہے بغیر تاریخ کے مطالعہ کے۔ ایک ایک مسلمان نکلتا تھا۔ اور دنیا کی طاقتیں اس کے سامنے جھک جاتی تھیں۔ وہ نقال نہیں تھا۔ بلکہ خود اپنی ذات میں اپنے آپ کو آدم سمجھتا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا۔ کہ دنیا میری نقل کرے گی میرا کام نہیں کہ میں اسکی نقل کروں۔ تم اگر تاریخ پڑھو تو تمہیں پتہ لگے گا۔ کہ آج تم ہر بات میں

یورپ کی نقل

کر رہی ہو۔ تم بعض دفعہ کہہ دیتی ہو۔ فلاں تصویر میں میں نے ایسے بال دیکھے تھے۔ اُف جب تک میں بھی ایسے بال نہ بنا لوں۔ مجھے چین نہیں آئے گا۔ فلاں پوڈر نکلا ہے۔ جب تک میں اسے خرید نہ لوں۔ مجھے قرار نہیں آئے گا۔ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ تم سمجھتی ہو۔ کہ تمہارا دشمن بڑا ہے۔ اور تم چھوٹی ہو۔ اگر تم بڑی ہو۔ تو اس کا کام ہے۔ کہ وہ تمہاری نقل کرے۔ اور اگر وہ بڑا ہے۔ تو پھر تمہارا کام ہے کہ تم اسکی نقل کرو۔

حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں

اسلامی لشکر ایران کے ساتھ ٹکر لے رہا تھا کہ بادشاہ کو خیال آیا۔ کہ یہ عرب ایک غریب ملک کے رہنے والے بھوکے ننگے لوگ ہیں۔ اگر ان کو انعام کے طور پر کچھ روپیہ دے دیا جائے۔ تو ممکن ہے یہ لوگ واپس چلے جائیں۔ اور لڑائی کا خیال ترک کر دیں۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے کمانڈر انچیف کو کہلا بھیجا۔ کہ اپنے چند آدمی میرے پاس بھجوا دیئے جائیں۔ میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ ملنے کے لئے آئے۔ تو اس وقت بادشاہ بھی اپنے دار الخلافہ سے نکل کر کچھ دور آگے آیا ہوا تھا۔ اور عیش اور تنعم کا ہر قسم کا سامان اس کے ساتھ تھا۔

نہایت قیمتی قالین

بچھے ہوئے تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے کاؤچ اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا۔ کہ مسلمان سپاہی آ پہنچے سپاہیوں کے پاؤں میں آدھے چھلے ہوئے چمڑے کی جوتیاں تھیں۔ جو مٹی سے اٹی ہوئی تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جس وقت وہ دروازے پر پہنچے۔ چوبدار نے آواز دی۔ کہ بادشاہ سلامت کی حضوری میں تم حاضر ہونے ہو۔ اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ پھر اس نے مسلمان افسر سے کہا۔ تمہیں معلوم نہیں۔ کہ کس قسم کے قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں۔ تم نے اپنے ہاتھوں میں نیزے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان نیزوں سمیت قالینوں پر سے گذرو گے۔ تو ان کو نقصان پہنچے گا۔ اس مسلمان افسر نے کہا۔ تمہارے بادشاہ نے ہم کو بلایا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے۔ اگر

ملنے کی احتیاج

ہے۔ تو اس کو ہے ہمیں نہیں۔ اسے اگر اپنے قالینوں کا خیال ہے۔ تو اسے کہہ دو کہ وہ اپنے قالین اٹھا لے۔ ہم جوتیاں اتارنے یا نیزے اپنے ہاتھ سے رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے بہتیرا پروٹسٹ کیا۔ اور کہا کہ اندر

نہایت قیمتی فرش

ہے۔ جوتیاں اتار دو۔ اور نیزے رکھ دو۔ مگر انہوں نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے ہم کو بلایا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے۔ غرض اسی حالت میں وہ اندر پہنچے۔ وہاں تو بڑے سے بڑا جرنیل اور وزیر بھی زمین بوس ہوتا۔ اور بادشاہ کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ مگر یہ تنی ہوئی چھاتیوں اور

اٹھی ہوئی گردنوں کے ساتھ

وہاں پہنچے۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ اور پھر اس سے پوچھا۔ کہ بادشاہ تم نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ بادشاہ نے کہا۔ تمہارا ملک نہایت جاہل پست درماندہ اور مالی تنگی کا شکار ہے۔ اور پھر عرب وہ قوم ہے۔ کہ جو گوہ تک (ایک ادنیٰ جانور ہے) کھاتی ہے وہ عمدہ کھانوں سے ناآشنا ہے عمدہ لباس سے ناآشنا ہے۔ اور بھوک اور افلاس نے اسے پریشان کر رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس

تنگی اور قحط

کی وجہ سے تمہارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہؤا ہے۔ کہ ہم دوسرے ملکوں میں جائیں۔ اور ان کو لوٹیں۔ میں تمہارے سامنے تمہاری اس تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ تمہارا جتنا لشکر ہے۔ اس میں سے ہر سپاہی کو میں ایک ایک اشرفی

درخواست ہائے دعا

(۱) غلام محمدؐ صاحب عبد ٹیچر حافظ آباد کی اہلیہ اللہ جوائی صاحبہ عید الفطر کے دوسرے روز سے میعادی بخار میں شدید بیمار ہیں۔ سخت گھبراہٹ اور تشویش لاحق ہے۔ (۲) محمدؐ عظیم صاحب باجوہ ۲۹ رجون سے بیمار ہیں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے۔ کہ جگر خراب ہے۔ بخار بھی ہے۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

اور ہر افسر کو دو دو اشرفیاں سے دوں گا۔ تم یہ روپیہ لو اور اپنے ملک میں واپس چلے جاؤ۔ مسلمان کمانڈر نے کہا اے بادشاہ یہ جو تم کہتے ہو کہ ہماری قوم گوہ تک کھانے والی تھی۔ اور ہم غربت اور ناداری میں اپنے ایام بسر کر رہے تھے یہ بالکل درست ہے۔ ایسا ہی تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ خدا تعالےٰ نے ہم میں

اپنا ایک رسول

بھیجا اور اس نے ہم کو خدا تعالےٰ کا پیغام پہنچایا اور ہم نے اسے قبول کر لیا۔ تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ ہم روپوں کے لئے نکلے ہیں۔ مگر ہم روپوؤں کے لئے نہیں نکلے۔ تمہاری قوم نے ہم سے جنگ شروع کی ہے۔ اور اب ہماری تلواریں تبھی نیام میں جائیں گی جب یا تو کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ گے اور یا پھر مسلمانوں کے باجگزار ہو جاؤ گے۔ اور ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ ایران کا بادشاہ جو اپنے آپ کو نصف دُنیا کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ وہ اس جواب کو برداشت نہ کر سکا۔ اسے غصہ آیا۔ اس نے چوبدار سے کہا جاؤ۔ اور ایک بوری میں مٹی ڈال کر لے آؤ۔ وہ بوری میں مٹی ڈال کر لے آیا۔ تو اس نے کہا یہ بوری اس

مسلمان سردار

کے سر پر رکھدو۔ اور اسے کہہ دو کہ میں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں۔ اور سوائے اس مٹی کے تمہیں کچھ اور دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہ مسلمان افسر جس کی گردن ایران کے بادشاہ کے سامنے نہیں جھکی تھی۔ اس موقعہ پر اس نے فوراً اپنی گردن جھکا دی۔ پیٹھ پر بوری رکھی اور اپنے ساتھیوں سے کہا آ جاؤ بادشاہ نے خود ایران کی زمین ہمارے سپرد کر دی ہے۔ مشرک تو وہمی ہوتا ہے۔ بادشاہ نے یہ سنا تو اسکے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان لوگوں کو جلدی پکڑو مگر وہ اس وقت تک دور نکل چکے تھے۔ انہوں نے کہا اب یہ پکڑی جانیوالی مخلوق نہیں ہے۔ پھر وہی بادشاہ جس نے یہ کہا تھا کہ میں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگا۔ پھر ملک چھوڑ کر بھاگا اور شمالی پہاڑیوں میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ اور اس کے قلعے اور محلات اور خزانے سارے کے سارے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ ابوہریرہ رضؓ

وہ غریب ابوہریرہ رضؓ

جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سارا دن بیٹھے رہنے کے خیال سے کوئی گزارہ کی صورت پیدا نہیں کرتا تھا۔ اور جسے بعض دفعہ کئی کئی دن کے فاقے ہو جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہیں کھانسی اٹھی۔ انہوں نے اپنی جیب میں سے رومال نکالا اور اس میں بلغم تھوکا۔ اور پھر کہا بخٍ بخٍ ابوہریرہ۔ یعنی واہ واہ ابوہریرہ۔ کبھی تو تُو فاقوں سے بیہوش ہو جایا کرتا تھا۔ اور آج تو کسریٰ کے اس رومال میں تھوک رہا ہے۔ جسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے وقت اپنی شان دکھانے کے لئے خاص طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا میں آخری زمانہ میں مسلمان ہوا تھا میں نے اس خیال سے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں نے بہت کچھ سن لی ہیں۔ اور اب میرے لئے بہت تھوڑا زمانہ باقی ہے۔

یہ عہد کر لیا

کہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے نہیں ہلونگا۔ سارا دن مسجد میں ہی رہوں گا۔ تاکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی باہر تشریف لائیں میں آپ کی باتیں سن سکوں۔ کچھ دن تو میرا بھائی مجھے روٹی پہنچاتا رہا۔ مگر آخر اس نے روٹی پہنچانی چھوڑ دی اور مجھے فاقے آنے لگے بعض دفعہ سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا۔ اور بھوک کی شدت کی وجہ سے میں بیہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دورہ ہو گیا ہے۔ اور عربوں میں یہ رواج تھا۔ کہ جب کسی کو مرگی کا دورہ ہوتا تو وہ اسکے سر پر جوتیاں مارا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مرگی کا علاج ہے۔ جب میں بیہوش ہوتا تو میرے سر پر بھی وہ جوتیاں مارنی شروع کر دیتے۔ حالانکہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے بیہوش ہوتا تھا۔ اب کجا وہ حالت اور کجا یہ حالت کہ

ایران کا خزانہ

مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور اموال تقسیم ہوئے۔ تو وہ رومال جو شاہِ ایران تخت پر بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا۔ وہ میرے حصہ میں آیا۔ مگر ایران کا بادشاہ تو آرائش کے لئے اس رومال کو اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا۔ اور میرے نزدیک اس رومال کی صرف اتنی قیمت ہے کہ میں اس میں اپنا بلغم تھوک رہا ہوں۔

سوائے تاریخ کے

کونسی چیز ہے

جو تمہیں اپنے آباء کے ان حالات سے واقف کر سکتی ہے۔ اور تمہیں بتا سکتی ہے کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو۔ کسی ملک میں مسلمان عورت نکل جاتی تھی تو لوگوں کی مجال تک نہیں ہوتی تھی۔ کہ وہ اسکی طرف اپنی آنکھ اٹھا سکیں۔ آج کل ربوہ کی گلیوں میں احمدی عورتیں پھرتی ہیں۔ تو ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو باہر کا کوئی اوباش آدمی یہاں آیا ہوا ہو۔ اور وہ کوئی شرارت کر دے۔ لیکن ایک وہ زمانہ گذرا ہے کہ مسلمان عورتیں دنیا کے گوشے گوشے میں جاتیں۔ اکیلی اور تن تنہا جاتیں اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ کہ وہ ان کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ سکے۔ اور اگر کبھی کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا۔ تو وہ اس کا ایسا خمیازہ بھگتتا کہ نسلوں نسل تک اس کی اولاد ناک رگڑتی چلی جاتی۔

مسلمان اپنے ابتدائی دَور میں

ہی دنیا میں پھیل گئے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی اسّی نوّے سال ہی گذرے تھے کہ وہ چین اور ملایا اور سیلون اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ ادھر وہ افریقہ کے مغربی ساحلوں تک چلے گئے تھے۔ اور ان کی لہریں یورپ کے پہاڑوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس ابتدائی دَور میں مسلمانوں کا ایک قافلہ جس کو سیلون کے بدھ بادشاہ نے خلیفۂ وقت کے لئے کچھ تحائف بھی دیئے تھے۔ سیلون سے روانہ ہوا اور اسے سندھ میں لُوٹ لیا گیا۔ سندھ میں ان دنوں راجہ داہر کی حکومت تھی۔ جب اس قافلہ کے لوٹے جانے کی خبر مشہور ہوئی۔ تو گورنر عراق کا والئ مکران کو حکم پہنچا کہ ہمارے پاس یہ خبر پہنچی ہے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ جو سیلون سے چلا تھا۔ وہ سندھ میں لوٹا گیا ہے۔ اور مسلمان مرد اور عورتیں قید ہیں تم اس واقعہ کی تحقیق کر کے ہمیں اطلاع دو۔

والئ مکران

نے راجہ داہر سے دریافت کیا۔ تو اس نے اس واقعہ کا انکار کر دیا۔ مسلمان چونکہ خود راستباز تھے اسلئے وہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی سچ بولتے ہیں۔ جب راجہ داہر نے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے بھی مان لیا کہ یہ بات سچ ہو گی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور قافلہ انہوں نے اسی طرح لوٹا اور ان میں سے بھی کچھ عورتیں انہوں نے قید کیں۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت نے کسی طرح ایک مسلمان کو جو قید نہیں ہوا تھا یا قید ہونے کے بعد کسی طرح رہا ہو گیا تھا کہا کہ میرا پیغام مسلمان قوم کو پہنچا دو کہ ہم یہاں قید ہیں اور مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہم کو بچائے۔ اس وقت خلیفۂ بنو امیہ افریقہ پر چڑھائی کی تجویزیں کر رہا تھا۔ اور سپین فتح کرنے کی سکیم بن رہی تھی اور تمام علاقوں میں یہ احکام جاری ہو چکے تھے کہ جتنی فوج میسّر آ سکے وہ افریقہ کے لئے بھجوا دی جائے۔ اس وقت وہ پیغامبر پہنچا اور اس نے عراق کے گورنر کو جو حجاج نامی تھا اور جو سخت بدنام تھا۔ یہ پیغام پہنچایا۔ اس میں بدنامی کی بھی باتیں ہوں گی۔ مگر اس جیسا نڈر۔ بہادر اور

اسلام کے لئے قربانی کرنے والا

آدمی بھی اس زمانہ میں ہمیں شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ آنے والے نے حجاج سے کہا کہ میں سندھ سے آیا ہوں۔ وہاں یکے بعد دیگرے دو مسلمان قافلے لوٹے گئے ہیں اور کئی مسلمان قید ہیں۔ راجہ داہر نے گورنر مکران سے یہ بالکل جھوٹ کہا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ حجاج نے کہا میں کس طرح مان لوں۔ کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ درست کہہ رہے ہو۔ ہر بات کی دلیل ہونی چاہیئے۔ بغیر کسی دلیل کے میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ اس نے کہا آپ مانیں یا نہ مانیں واقعہ یہی ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ حجاج نے کہا اول تو تمہاری بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہم گورنر مکران کو لکھا۔ اور اس نے جو جواب دیا وہ تمہارے اس بیان کے خلاف ہے۔ دوسرے تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔

خلیفۂ وقت کا حکم

ہے کہ جتنی فوج میسّر ہو افریقہ بھیج دو۔ پس اسوقت ہم اپنی فوجوں کو کسی اور طرف نہیں بھیج سکتے غرض اس نے ہر طرح سمجھایا۔ مگر حجاج پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اس نے کہا میرے حالات اس قسم کے نہیں کہ میں اس طرف توجہ کر سکوں۔ جب وہ ہر طرح دلائل دے کر تھک گیا تو اس نے کہا میرے پاس آپ کے لئے اور خلیفۂ وقت کے لئے ایک پیغام بھی ہے۔ حجاج نے کہا وہ کیا ہے اس نے کہا جب میں چلا ہوں تو ایک مسلمان عورت جو قید ہونے کے خطرہ میں تھی اور اِسوقت تک قید ہو چکی ہو گی۔ اس نے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ اسلامی خلیفہ اور عراق کے گورنر کو ہماری طرف سے یہ پیغام دے دیں کہ مسلمان عورتیں ظالم ہندوؤں کے ہاتھ میں قید ہیں اور انکی عزت اور ان کا ناموس محفوظ نہیں ہے۔ ہم

مسلمان قوم سے مطالبہ

کرتی ہیں کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے۔ اور ہمیں یہاں سے بچانے کی کوشش کرے۔ کوئی ملک نہیں کوئی قوم نہیں دو یا تین عورتیں ہیں اور بیس یا پچیس مرد ہیں جن کے بچانے کے لئے بعض دفعہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر بھی یہ کہدیتا ہے کہ میرے پاس سپاہی موجود نہیں۔ یہ ایک معمولی واقعہ ہے اس کا حجاج پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہی حجاج جو یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے پاس فوج نہیں۔ ہم یورپ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں وہ اس پیغام کو سنکر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اور جب اس آنیوالے آدمی نے پوچھا کہ اب آپ مجھے کیا جواب دیتے ہیں۔ تو حجاج نے کہا۔ اب کہنے اور سننے کا کوئی وقت باقی نہیں اب میرے لئے کوئی اور فیصلہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اس کا جواب ہندوستان کی فوج کو ہی دیا جائیگا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو لکھا۔ اس نے بھی یہی کہا کہ ٹھیک فیصلہ ہے اب ہمارے لئے غور کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں اور اس فیصلہ کے مطابق

مسلمان فوج

سندھ کے لئے روانہ کر دی گئی۔ درمیان میں کوئی ہزار میل کا فاصلہ ہے یا اس سے کچھ زیادہ اور اس زمانہ میں موٹروں کے ساتھ بھی اس فاصلہ کو آسانی سے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بادشاہ نے حکم دیا کہ اب مسلمانوں کی عزت اور ناموس کا سوال ہے بغیر کسی التواء کے جلد سے جلد منزلِ مقصود پر مسلمانوں کا پہنچنا ضروری ہے چنانچہ مسلمان درمیان میں کہیں ٹھہرے نہیں۔ انہوں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر رات اور دن سفر کیا اور بارھویں دن اس فاصلہ کو جو آج ریلوں اور موٹروں کے ذریعہ بھی اتنے قلیل عرصہ میں طے نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی انتھک محنت اور کوشش کے

ساتھ طے کرتے ہوئے وہ ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گئے۔ اب تو تمہارا اپنا وجود ہی بتا رہا ہے کہ اس مہم کا نتیجہ کیا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آٹھ ہزار سپاہی جو بصرہ سے چلا تھا۔ اس آٹھ ہزار سپاہی نے دو مہینہ کے اندر اندر سندھ ملتان اور اس کے گرد و نواح تک کو فتح کر لیا۔ اور وہ قیدی بچائے گئے۔ عورتیں بچا لی گئیں اور سندھ کا ملک جس میں

راجہ داھر کی حکومت

تھی۔ اسے سارے کا سارا فتح کر لیا گیا۔ اور پھر مسلمان لشکر ملتان کی طرف بڑھا۔ مگر بدقسمتی سے بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ اسے ان لڑائیوں میں بادشاہ سے بھی اختلاف تھا۔ اور افسروں سے بھی اختلاف تھا۔ جب اپنے بھائی کی وفات کے بعد وہ حکومت کے تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے محمدؐ بن قاسم کو جو ایک فاتح جرنیل تھا۔ اور جو ارادہ رکھتا تھا کہ حملہ کر کے بنگال تک چلا جائے معزول کر کے واپس آنے کا حکم دیدیا اور جب وہ واپس آیا تو اسے قتل کروا دیا ورنہ ہندوستان کا نقشہ آج بالکل اور ہوتا آج صرف یہاں پاکستان نہ ہوتا۔ بلکہ سارا ہندوستان ہی پاکستان ہوتا۔ جن ملکوں کو عربوں نے فتح کیا ہے ان میں اسلام اس طرح داخل ہوا ہے۔ کہ کوئی شخص اسے قبول کرنے سے بچا نہیں۔ غیر قومیں جو ہندوستان میں آئی ہیں۔ ان کے اندر

تبلیغی جوش

نہیں تھا۔ اسلئے انہوں نے چند علاقوں کو فتح کیا ہے وہاں کے رہنے والوں میں اسلام کی دشمنی بھی تھی۔ اسلامی تعلیم سے منافرت بھی تھی۔ اور پھر ان فاتح اقوام کا سلوک بھی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ لیکن عرب تو اس طرح زچھ جاتا تھا کہ وہ جس ملک میں جاتا۔ اپنے آپ کو حاکم نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ لوگوں کا خادم سمجھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی سارے کا سارا ملک مسلمان ہو جاتا۔ پس اگر اس زمانہ میں ہندوستان کو فتح کر لیا جاتا۔ تو یقیناً آج ہندوستان ایران اور مصر کی طرح ایک مسلمان ملک ہوتا کیونکہ وہ لوگ

عربوں کا نمونہ

دیکھتے تھے۔ ان کی خدمت اور حسن سلوک کو دیکھتے تھے ان کی دیانت اور راستبازی کو دیکھتے تھے۔ اور ان اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ان کے سامنے عرب اور غیر عرب کا سوال نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ صرف بھائی کا سوال ہوتا تھا۔ جس کے بعد بغض اور کینے آپ ہی آپ مٹ جاتے ہیں۔ تمہارے باپ دادا کے یہ حالات سوائے تاریخ کے تمہیں اور کس ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہی چیز ہے جو تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ ورنہ محض دو دونے چار سے یعنی دو کو دو سے ضرب دی جائے تو چار حاصل ہوتے ہیں۔ تمہیں کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم تاریخ پڑھو۔ اور تم ذرا بھی عقل رکھتی ہو۔ ذرا بھی جستجو کا مادہ اپنے اندر رکھتی ہو۔ تو تمہاری زندگی ضائع نہیں ہو سکتی

مضمون تو میں نے اور شروع کیا تھا۔ مگر میں رَو میں بہہ کر کہیں کا کہیں چلا گیا۔ میں کہہ یہ رہا تھا۔ کہ کبھی زمانہ بدلتا ہے اور لوگ اس کے ساتھ بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو اپنے ساتھ زمانوں کو بدل دیتے ہیں۔

مسلمان وہ قوم تھی جو

جو زمانہ کے ساتھ نہیں بدلی بلکہ زمانہ کو اس نے اپنے ساتھ بدل دیا وہ جہاں جہاں گئے انہوں نے لوگوں کو اپنے اخلاق کی نقل پر مجبور کر دیا اپنے لباس کی نقل پر مجبور کر دیا اپنے تمدن کی نقل پر مجبور کر دیا اور وہ دنیا کے استاد اور رہنما تسلیم کئے گئے۔ آج مسلمان عورت یورپ کی بے پردگی کی نقل کر رہی ہے۔ حالانکہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ مسلمان عورتوں کے پردہ کو دیکھ کر یورپ کی عورتوں نے پردہ کیا۔ چنانچہ ننوں (Nuns) کو دیکھ لو۔ یورپ ایک بے پردہ ملک تھا۔ اور بے پردگی ان میں فیشن سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان عورت پردہ کرتی ہے تو بہت حد تک انہوں نے بھی پردہ لے لیا چنانچہ ننز (Nuns) میں گو پورا پردہ نہ ہو لیکن ان کی نقاب بھی ہوتی ہے۔ ان کی پیشانی بھی ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ان کے جسم پر کوٹ بھی ہوتا ہے۔ جس سے ان کے تمام اعضاء ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور گو ہم اسے

پورا اسلامی پردہ

نہ کہہ سکیں۔ مگر نوّے فی صدی پردہ ان میں ضرور پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ عورت تھی۔ جو اسلام کے یورپ میں جانے سے پہلے ننگی پھرتی تھی۔ اور جیسے بندریا کو ایک گھگھری پہنا دی جاتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے ایک گھگھری پہنی ہوئی ہوتی تھی۔ چنانچہ یورپ کی پرانی تصویریں دیکھ لو۔ عورتوں کے بازو ٹانگیں اور سینہ وغیرہ سب ننگا ہوتا تھا۔ مگر جب مسلمان عورتوں کو انہوں نے پردہ کرتے دیکھا۔ تو انہوں نے بھی پردہ کے بہت سے حصوں کو لے لیا۔ مگر یورپ اب پھر اسی پہلے زمانہ کی طرف جا رہا ہے اور مسلمان عورت بھی پردہ اتار کر خوش ہوتی ہے۔ کہ وہ یورپ کی نقل کر رہی ہے۔ آج کی مسلمان عورت یہ کہتی ہے کہ ہم زمانہ کے ساتھ چلیں اور پرانی مسلمان عورت یہ کہتی تھی کہ

زمانہ میرے ساتھ ہے

یہ اپنی غلامی کا اقرار کرتی ہے۔ اور وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرتی تھی۔ کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں دوسروں کی نقل کروں۔ لوگوں کا کام ہے کہ وہ میری نقل کریں۔ غرض میں کہہ یہ رہا تھا کہ ایک زمانہ تھا۔ کہ ہمارے لئے تعلیم میں مشکلات تھیں۔ ایک عیسائی قوم ہم پر حاکم تھی۔ اور مغربی تعلیم دلوانے میں ہمارے لئے مشکلات تھیں۔ پس میں اس بات پر زور دیتا تھا۔ کہ ہماری لڑکیاں دینیات کلاس میں پڑھیں اور اپنا سارا زور مذہبی اور

دینی تعلیم کے حصول

میں صرف کریں۔ اور شاید جماعت میں میں اکیلا ہی تھا

جو اس بات پر زور دیتا تھا۔ ورنہ جماعت کے افسر کیا اور افراد کیا۔ ان سب کی مختلف وقتوں میں یہی کوشش رہی کہ ہائی سکول کے ساتھ ایک بورڈنگ بنانے کی اجازت دے دی جائے۔ تاکہ بیرونجات سے لڑکیاں آئیں اور وہ قادیان میں رہ کر انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ اسی طرح اس بات پر بھی زور دیا جاتا رہا کہ لڑکیوں کے لئے کالج کھولنے کی اجازت دی جائے۔ مگر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی لیکن آج میں ہی

زنانہ کالج کا افتتاح

کر رہا ہوں۔ یہ تیسری قسم کی چیز ہے نہ میں زمانہ کے ساتھ بدلا نہ زمانہ میرے ساتھ بدلا۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے زمانہ میں ایسی خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی۔ کہ اب تعلیم کو اسلامی طریق کے ماتحت ہم کالج میں رائج کر سکتے ہیں۔ یہ کہ اس تعلیم کی آئندہ کیا تفصیلات ہوں گی۔ اسکو جانے دو۔ لیکن یہ کتنا خوشگوار احساس ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یونیورسٹی کے مضامین میں ایک مضمون اسلامیات کا بھی رکھا گیا ہے۔ جس میں اسلامی تاریخ پر خاص طور پر زور دیا جائے گا۔ پس ہم زمانہ کے ساتھ نہیں بدلے۔ زمانہ بھی ہمارے ساتھ نہیں بدلا۔ کیونکہ جو زور ہمارے نزدیک اسلامی تعلیم پر ہونا چاہیئے وہ ابھی نہیں ہے لیکن خدا تعالےٰ نے زمانہ کو سمو دیا ہے اور اسے کچھ ہمارے مطابق کر دیا ہے۔ اور کچھ ابھی ہمارے مطابق نہیں۔ پس ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق جبکہ ہم سہولت کے ساتھ کالج میں بھی

دینیات کی تعلیم

دے سکتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ دینیات کلاسز کو اڑا دیا جائے اور اسی کالج میں لڑکیوں کو زائد دینی تعلیم دی جائے۔ تاکہ وہ کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی لحاظ سے بھی اعلےٰ درجہ کی معلومات حاصل کر لیں اور اسلام پر ان کی نظر وسیع ہو جائے۔ عیسائی حکومت جو تعلیم میں پہلے دخل دیا کرتی تھی۔ وہ اب باقی نہیں رہی۔ پس میں نے فیصلہ کیا کہ اب ہمیں کالج قائم کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ہماری لڑکیاں اعلےٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان میں جو اعلےٰ تعلیم یافتہ عورتیں ہیں ان کی برابری کر سکیں۔ اور ایک مقام پر ان کے ساتھ بیٹھ سکیں گو ہونا تو یہ چاہیئے کہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد تمہاری دماغی کیفیت اور تمہاری قلبی کیفیت اور تمہاری ذہانت دوسروں سے بہت بالا اور بلند ہو۔ اور جب کبھی تم ان کے پاس بیٹھو۔ وہ یہ محسوس کریں کہ تمہارا علم اور ہے اور ان کا اور

تمہارا علم آسمانی ہے

اور ان کا زمینی۔ اور اگر تم قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں تم انٹرنس پاس ہو لیکن میں انٹرنس میں فیل ہوا تھا۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ میں مڈل پاس بھی نہیں کیونکہ میں مڈل میں بھی فیل ہوا تھا۔ درحقیقت قانون کے مطابق میری تعلیم پرائمری تک ختم ہو جانی چاہیئے تھی۔ کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پرائمری کا امتحان بھی پاس نہ کیا تھا۔ مگر چونکہ گھر کا سکول تھا۔ اسلئے اساتذہ مجھے اگلی کلاسوں میں بٹھاتے چلے گئے۔ پس میں پرائمری پاس بھی نہیں اور تم تو میٹرک کا امتحان پاس کر چکی ہو۔ پھر ایف اے بنو گی۔ اس کے بعد بی اے بنو گی اور پھر انشاء اللہ ایم اے کی کلاسز کھل جائیں گی۔ اور تم ایم اے ہو جاؤ گی۔ اگر تم یہ سمجھو کہ

قرآن کریم کے علوم

کے مقابلہ میں دنیا کے علوم بالکل ہیچ ہیں۔ تو یقیناً تم تلاش کرو گی کہ قرآن کریم میں وہ علوم کیوں پائے جاتے ہیں پہلے ہمیشہ ایمان پیدا ہوتا ہے اور پھر عمل پیدا ہوتا ہے۔ اگر تمہیں یقین ہو کہ قرآن کریم میں وہ علم بھرا ہوا ہے۔ جو دنیا میں نہیں۔ تو یقیناً تم تلاش کرو گی کہ وہ ہے کہاں؟ اور جب تم تلاش کرو گی۔ تو وہ تمہیں مل جائے گا۔ قرآن کریم خود بتاتا ہے کہ وہ ایک بند خزانہ ہے۔ اس کے الفاظ ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔ اس کی سورتیں ہر ایک کے لئے کھلی ہیں۔ مگر اس کے لئے کھلی ہیں۔ جو پہلے ایمان لاتا ہے وہ فرماتا ہے۔

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ

وہ لوگ جو ہماری برکات اور رحمت سے ممسوح کئے جاتے ہیں۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں کیا کچھ بیان ہوا ہے۔ باقی عربی کتابیں عربی جاننے سے سمجھی جا سکتی ہیں لیکن قرآن ایمان سے سمجھا جا سکتا ہے اگر تمہیں کامل ایمان حاصل ہو اور پھر تم اسکو دیکھو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی کسی مجلس میں دنیا کی کسی یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ عورت سے تم نیچی نہیں ہو سکتیں۔ وہ تمہیں اس طرح دیکھینگی جس طرح شاگرد اپنے اساتذہ اور معلمین کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ تمہارے پاس وہ چیز ہو گی جو ان کے پاس نہیں ہو گی۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ احمدی [illegible] بھی ابھی اس بات پر تو ایمان لے آیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے [illegible] اپنا مامور بھیجا۔ وہ اس بات پر بھی ایمان لے آیا ہے۔ کہ احمدیت سچی ہے مگر ابھی اس بات پر اسے پختہ ایمان حاصل نہیں ہوا۔ کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے اگر یہ بات حاصل ہو جاتی تو آج ہماری جماعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ اگر تمہاری جیب میں روپیہ موجود ہو تو کیا ضرورت ہے تم صندوق کھولنے جاتی ہو۔ یا اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتی ہو اور روپیہ نکال لیتی ہو

اگر واقعہ میں ایک احمدی مرد اور عورت کے دل میں یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے تو وہ کسی اور طرف جائیگا کیوں؟ وہ قرآن پہ غور کرے گا اور وہ کچھ ملے گا جو اسے دوسری کتابوں سے مل سکتا ہی نہیں تب اس کی زندگی دوسروں سے زیادہ اعلیٰ ہوگی اور وہ ان میں ایک

ممتاز حیثیت کا حامل

ہوگا۔ بے شک بعض مجبوریوں کی وجہ سے اُسے بھی یونیورسٹیوں میں پڑھنا پڑے گا مگر اس کو آخری ڈگری دینے والا کوئی چانسلر نہیں ہوگا۔ کوئی گورنر نہیں ہوگا کوئی وزیر نہیں ہوگا بلکہ اسے آخری ڈگری دینے والا خدا ہوگا اور ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کی ڈگری کے مقابلہ میں انسانوں کی ڈگری کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی

غرض یہ کالج میں نے اس لئے کھولا ہے کہ اب

دین اور دنیا کی تعلیم

چونکہ مشترک ہو سکتی ہے اس لئے اسے مشترک کر دیا جائے۔ اس کالج میں پڑھنے والی دو قسم کی لڑکیاں ہو سکتی ہیں۔ کچھ تو وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دنیوی کام کریں۔ اور کچھ وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کی خدمت کریں۔ میں دونوں سے کہتا ہوں کہ دینی خدمت بھی دنیا سے الگ نہیں ہو سکتی اور دنیا کے کام بھی دین سے الگ نہیں ہو سکتے

اسلام نام ہے

خدا تعالیٰ کی محبت اور بنی نوع انسان کی خدمت کا اور بنی نوع انسان کی خدمت ایک دنیوی چیز ہے جس طرح خدا تعالےٰ کی محبت ایک دینی چیز ہے پس جب اسلام دونو چیزوں کا نام ہے اور جب وہ لڑکی جو اس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دنیا کا کام کرے اور وہ لڑکی جو اس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کا کام کرے دونوں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ جو لڑکی اس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دنیا کا کام کرے اُسے بھی معلوم ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت کرنا بھی دین کا حصہ ہے اور جو لڑکی اس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دین کا کام کرے اسے معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حصہ ہے پس دونوں کا مقصد مشترک ہو گیا جو دینی خدمت کی طرف جانے والی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حصہ ہے۔ دین کے معنے صرف سبحان اللہ سبحان اللہ کرنے کے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے اور ان کے دکھ درد کو دور کرنے میں حصہ لینے کے بھی ہیں اور جو لڑکیاں دنیا کا کام کرنا چاہتی ہیں انہیں

یاد رکھنا چاہیئے

کہ اسلام نے خدا تعالےٰ کی محبت پر بھی زور دیا ہے پس انہیں دنیوی کاموں کے ساتھ خدا تعالےٰ کی محبت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اس کی محبت اپنے دلوں میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے چلے جانا چاہیئے اور چونکہ دونوں قسم کی لڑکیاں درحقیقت ایک ہی مقصد اپنے سامنے رکھتی ہیں۔ اس لئے وہ جو اختلاف تمہیں اپنے اندر نظر آ سکتا تھا وہ نہ رہا اور تم سب کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی مدعا ہو گیا۔ پس یہ مقصد ہے جو تمہارے سامنے ہوگا۔ اور اس مقصد کے لئے تمہیں دینی روح بھی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے اور بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ بھی اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے تا کہ وہ مقصد پورا ہو جس کے لئے تم اس کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئی ہو۔ دوسرے کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں ہو سکتا ہے کہ

خدا تعالےٰ کو بھلا کر

دنیوی کاموں میں ہی منہمک ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ کالج احمدیہ کالج ہے اس لئے تمہارا فرض ہوگا کہ تم دونوں دامنوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اگر ایک دامن بھی تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو تم اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتیں جو تمہارے سامنے رکھا گیا ہے اور جس کے پورا کرنے کا تم نے اقرار کیا ہے پس ان ہدایات کے ساتھ میں احمدیہ زنانہ کالج کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جو اس کالج میں پڑھانے والی ہوں گی وہ بھی اس بات کو مدنظر رکھ کر پڑھائیں گی کہ طالبات کے اندر ایسی آگ پیدا کی جائے جو ان کو پارہ کی طرح ہر وقت بیقرار اور مضطرب رکھے۔ جس طرح پارہ ایک جگہ پہ نہیں ٹکتا بلکہ وہ ہر آن اپنے اندر ایک اضطرابی کیفیت رکھتا ہے۔ اسی طرح تمہارے اندر وہ

سیماب کی طرح تڑپنے والا دل

ہونا چاہیئے جو اس وقت تک تمہیں چین نہ لینے دے جب تک تم احمدیت اور اسلام کو اور احمدیت اور اسلام کی حقیقی روح کو دنیا میں قائم نہ کر دو۔ اسی طرح پروفیسروں کے اندر بھی یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ وہ صحیح طور پہ تعلیم دیں۔ اخلاق فاضلہ سکھائیں اور سچائی کی اہمیت تم پہ روشن کریں۔ تمہیں برا تو لگے گا مگر واقعہ یہی ہے کہ عورت سچ بہت کم بولتی ہے۔ اس کے نزدیک اپنے خاوند کو خوش کرنے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور سچائی کی کم۔ جب اسے پتہ لگتا ہے کہ فلاں بات کے معلوم ہونے پہ میرا خاوند ناراض ہوگا تو بھی اس معاملہ میں جھوٹ ہی بولتی ہے۔ سچائی سے کام نہیں لیتی کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر میں نے سچ بولا تو میرا خاوند ناراض ہوگا۔ وہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں محکوم نہیں مجھے مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں اور دوسری طرف وہ مرد سے ڈرتی ہے۔ اگر اس کا مرد سے ڈرنا ٹھیک ہے تو پھر وہ محکوم ہے اُسے دنیا کے کسی فلسفہ اور کسی قانون نے آزاد نہیں کیا اور اگر وہ مرد کے برابر قوے رکھتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ جھوٹ بولے اور اسی طرح صداقت پہ قائم نہ رہے جس طرح آزاد مرد صداقت پہ قائم رہتے ہیں یہ ایک چھوٹا مسئلہ ہے لیکن تمہاری اصلاح کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے دل میں

یہ فیصلہ کرنا چاہیئے

کہ تم آزاد ہو یا نہیں۔ اگر تم آزاد نہیں ہو تو کہو کہ خدا نے ہم کو غلام بنا دیا ہے اور چھوڑ دو اس بات کو کہ تمہیں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہونے چاہئیں اور اگر تم آزاد ہو تو خاوند کے ڈر کے مارے جھوٹ بولنا اور راستی کو چھپانا یہ لغو بات ہے۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک کی عورت میں کام کرنے کی عادت بہت کم ہے۔ لجنہ بنی ہوئی ہے اور کئی دفعہ میں نے اس طرف توجہ بھی دلا چکا ہوں۔ مگر ہنوز روز اول والا معاملہ ہے۔ تمہیں اپنے کالج کے زمانہ میں اس بات پہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ عورت کی زندگی زیادہ سے زیادہ کس طرح مفید بنائی جا سکتی ہے یہ پرانا دستور جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اب بھی ہے کہ کھانا پکانے کا کام عورت کے ذمہ ہے اس میں اب

تبدیلی کی ضرورت

ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں عورت صرف کھانے پینے کے کام کے لئے ہی رہ گئی ہے اس کے پاس کوئی وقت ہی نہیں بچتا جس میں وہ دینی یا مذہبی یا قومی کام کر سکے یورپ کے مدبرین نے مل کر اس کا کچھ حل سوچا ہے۔ اور اس وجہ سے ان کی عورتوں کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ مثلاً یورپ نے ایک قسم کی روٹی ایجاد کر لی ہے جسے ہمارے ہاں ڈبل روٹی کہتے ہیں۔ یہ روٹی عورتیں گھر میں نہیں پکاتیں بلکہ بازار سے آتی ہے اور مرد عورتیں اور بچے سب اسے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ بادشاہ کے ہاں کیا دستور ہے آیا اس کی روٹی بازار سے آتی ہے یا نہیں لیکن یورپ میں ایک لاکھ میں سے ننانوے ہزار نو سو ننانوے یقیناً بازاری روٹی ہی کھاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنا بہت سا وقت بچا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس قسم کے کھانا پکانے کے برتن (Cooker) نکالے ہوئے ہیں جن سے بہت کم وقت میں سبزی اور گوشت وغیرہ تیار ہو جاتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی زندگیاں اس طرح ڈھال لی ہیں کہ عام طور پہ وہ ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ یورپ میں بالعموم

چار کھانے ہوتے ہیں

صبح کا ناشتہ۔ دوپہر کا کھانا۔ شام کا ناشتہ اور رات کا کھانا۔ عام طور پہ درمیانی طبقہ کے لوگ صبح کی چائے گھر پہ تیار کر لیتے ہیں۔ باقی دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے وہ ہوٹل میں کھا لیتے ہیں اور شام کا کھانا گھر پہ کھاتے ہیں۔ پھر سرد ملک ہونے کی وجہ سے ایک وقت کا کھانا کئی کئی وقت چلا جاتا ہے اور پھر کھانے انہوں نے اس قسم کے ایجاد کر لئے ہیں جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کولڈ میٹ (Cold-meat) ہے۔ روٹی بازار سے منگوالی اور کولڈ میٹ کے ٹکڑے کاٹ کر اس سے روٹی کھالی۔ لیکن ہمارے ہاں ہر وقت چولہا جلتا ہے۔ جب تم کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی ہو تو تمہیں

یہ بھی سوچنا پڑے گا

کہ تم اپنی زندگی کس طرح گذارو گی۔ اگر چولہے کا کام تمہارے ساتھ رہا تو پھر پڑھائی بالکل بیکار چلی جائے گی۔ تمہیں غور کرکے اپنے ملک میں ایسے تغیرات پیدا کرنے پڑیں گے کہ چولہے جھونکنے کا شغل بہت کم ہو جائے۔ اگر یہ شغل اسی طرح جاری رہا تو پڑھائی سب خواب و خیال ہو کر رہ جائے گی۔ یہی چولہا جھونکنے کا شغل اگر کم سے کم وقت میں محدود کر دیا جائے مثلاً اس کے لئے ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام رکھ لیا جائے تب بھی اور کاموں کے لئے تمہارے پاس بہت سا وقت بچ سکتا ہے۔

یہ مت خیال کرو

کہ تم نوکر رکھ لو گی۔ نوکر رکھنے کا زمانہ اب جا رہا ہے اب ہر شخص نوکر نہیں رکھ سکے گا۔ بلکہ بہت بڑے بڑے لوگ ہی نوکر رکھ سکیں گے۔ کیونکہ نوکروں کی تنخواہیں بڑھ رہی ہیں۔ اور ان تنخواہوں کے ادا کرنے کی متوسط طبقہ کے لوگوں میں بھی استطاعت نہیں ہو سکتی جب میں یورپ میں گیا ہوں تو اس وقت تک ابھی نوکروں کی تنخواہیں اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھیں تب بھی ہم نے جو عورت رکھی ہوئی تھی اسے ہم ۱۲ شلنگ ہفتہ وار یا ساٹھ روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کھانا بھی دیتے تھے۔ پھر ان کی یہ شرط ہوا کرتی تھی کہ ہفتہ میں ایک دن کی پوری اور ایک دن کی آدھی چھٹی ہوگی۔ ڈیڑھ دن تو اس طرح نکل گیا جس میں گھر والوں کو خود کام کرنا پڑتا تھا۔ آقا بیشک ہی شور مچاتی رہے کہ کام بہت ہے۔ وہ کہے گی۔ میں نہیں آ سکتی کیونکہ میری چھٹی کا دن ہے۔ پھر جتنا وقت مقرر ہو اس سے زیادہ وہ کام نہیں کرے گی۔ کتنا بھی کام پڑا ہو وہ فوراً چھوڑ کر چلی جائے گی اور کہے گی کہ وقت ہو چکا ہے۔ دراصل اس میں اس میں ان کا کوئی قصور نہیں بلکہ

واقعہ یہ ہے

کہ ان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتا کہ زیادہ کام کریں کیونکہ وہاں ہر طبقہ کے لوگوں کی الگ الگ انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ کوئی گھر کے نوکروں کی انجمن ہے۔ کوئی قلیوں کی انجمن ہے۔ کوئی انجنوں میں کوئلہ ڈالنے والوں کی انجمن ہے کوئی استادوں کی انجمن ہے۔ ان انجمنوں کی سفارش کے بغیر کسی کو نوکری نہیں ملتی اگر وہ زائد کام کریں تو انجمن کی ممبری سے ان کا نام کٹ جاتا ہے اور پھر انہیں کہیں ملازمت

نہیں ملتی۔ ہمیں وہاں مضمون لکھنے کے لئے ایک

ٹائپسٹ کی ضرورت

تھی۔ دفتر نے ایک عورت اس غرض کے لئے رکھی۔ جو زیکوسلویکیا کی رہنے والی تھی۔ اُسے ہمارے ...... مضامین پڑھنے کے بعد سلسلہ سے دلچسپی ہو گئی۔ مگر مشکل یہ تھی۔ کہ اس کا وقت ختم ہو جاتا۔ اور ہمارا کام ابھی پڑا ہوا ہوتا۔ بعض دفعہ ہمیں دوسرے ہی دن مضمون کی ضرورت ہوتی۔ اور وہ کہتی کہ میں اب جا رہی ہوں۔ کیونکہ وقت ہو گیا ہے مگر چونکہ اُسے ہمارے سلسلہ سے دلچسپی ہو گئی تھی اس لئے وہ کہتی۔ کہ میں زائد وقت کی ملازمت تو نہیں کر سکتی۔ لیکن میں یہ کر سکتی ہوں۔ کہ مضمون ساتھ لے جاؤں۔ اور گھر پر اُسے ٹائپ کر دوں۔ انجمن والے مجھے گھر کے کام سے نہیں روک سکتے۔ اس وقت میرا اختیار ہے۔ کہ میں جو چاہوں کروں۔ آپ مجھے اس وقت کی تنخواہ نہ دیں۔ میں آپ کا کام مفت میں کر دونگی اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہیں۔ تو بعد میں انعام کے طور پر دے دیں۔ اس طرح وہ

مشن کا کام

کیا کرتی تھی۔ کیونکہ ڈرتی تھی کہ اگر انہیں پتہ لگا کہ میں چھ گھنٹہ سے زیادہ کہیں کام کرتی ہوں۔ تو وہ مجھے نکال دیں گے۔ اور پھر مجھے کہیں بھی نوکری نہیں ملے گی۔ یہ چیزیں ابھی ہمارے ملک میں نہیں آئیں۔ لیکن جب آئیں۔ تو پھر لوگوں کے لئے بہت کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اب تو وہ پانچ سات روپیہ میں نوکر رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب دن نوکر کی پچاس روپیہ تنخواہ ہو گئی۔ اور سو روپیہ تمہیں ملا۔ تو تم نوکر کہاں رکھو گی۔ آج کل یورپ میں نوکر کی تنخواہ تین پونڈ ہفتہ وار ہے جس کے معنی آج کل کے پاکستانی روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے ایک سو بیس روپیہ ماہوار کے ہیں اور کھانا بھی الگ ہی دینا پڑتا ہے۔ اس زمانہ میں اوپر کے طبقوں کی تنخواہیں گر رہی ہیں۔ اور نیچے طبقہ کی تنخواہیں

بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جو شخص سات آٹھ سو روپیہ ماہوار لیتا ہے۔ وہ بھی ملازم نہیں رکھ سکتا۔ صرف ہزاروں روپیہ ماہوار کمانے والا ملازم رکھ سکتا ہے ایسی صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ ایک وقت کا کھانا دو تین وقتوں میں کھا لیا۔ یا ایک وقت ہوٹل میں جا کر کھا لیا۔ اور دوسرے وقت کے کھانے میں کولڈ میٹ استعمال کر لیا۔ اس طرح بہت سا وقت اور کاموں کے لئے بھی بچ سکتا ہے۔ پھر ہمارے ہاں یہ بھی ایک نقص ہے کہ بچوں کو کام کرنے کی عادت نہیں ڈالی جاتی۔ بچے دستر خوان پر بیٹھے ہی اور شور مچاتے ہیں۔ کہ امی نوکر پانی نہیں لاتی کہ ہم ہاتھ دھوئیں۔ امی۔ نوکر نے برتن صاف نہیں کئے امریکہ میں ہر بچہ اس بات کا پابند ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے کھانے کے برتن کو خود دھو کر رکھے۔ اور اگر وہ نہ دھوئے۔ تو اُسے سزا ملتی ہے۔ کیونکہ ماں اکیلی تمام کام نہیں کر سکتی۔ اگر وہ کرے تو اُس کے پاس کوئی وقت ہی نہ بچے۔ وہ اسی طرح کرتی ہے کہ کچھ کام خود کرتی ہے۔ اور کچھ کاموں میں بچوں سے مدد لیتی ہے۔ غرض

یورپ میں

اول تو روٹی بازار سے منگوائی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے کولڈ میٹ اور اسی قسم کی اور چیزیں ایسی بنا لی ہیں جن کو ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ہر وقت گرم کھانا کھایا جائے۔ وہ اسی سے روٹی کھا لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت کا پکا ہوا کھانا دو وقتوں میں کھا لیتے ہیں۔ اور پھر کام میں بچوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح بہت سا وقت بچا لیا جاتا ہے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے۔ میں نے ایک لطیفہ پڑھا جو امریکہ کے ایک مشہور رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ اور جس سے اُن لوگوں کے کیریکٹر پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک باپ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ میرے بچوں کو کبھی کبھی یہ تو بھول جاتا ہے کہ آج ہمنے

سکول جانا ہے۔ کبھی یہ بھی بھول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے برتن صاف کرنے ہیں۔ کبھی یہ بھی بھول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے کپڑے بدلنے ہیں۔ کبھی یہ بھی بھول جاتا ہے کہ ہم نے آٹھ بجے سونا ہے۔ لیکن اگر کبھی ہنسی میں میں نے اپنے بچوں سے کوئی وعدہ کیا ہوا ہو۔ اور اُس پر پانچ سال بھی گذر چکے ہوں تو وہ اُن کو نہیں بھولتا۔ اس مثال سے اُن کے کیریکٹر کا پتہ لگتا ہے کہ وقت پر سونا

وقت پر سکول جانا

وقت پر کپڑے بدلنا اور کھانے کے برتن دھونا یہ سب بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ اور یہ باتیں اُن کے فرائض میں شامل کی جاتی ہیں۔ اس رنگ میں انہوں نے ایسا انتظام کیا ہوا ہے۔ کہ اُن کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے پھر بچوں کے پالنے کا کام ایسا ہے۔ جس میں بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یورپ میں تو عورتیں بچے کو پنگھوڑے میں ڈالتی ہیں۔ چوسنی تیار کر کے اُس کے پاس رکھ دیتی ہیں اور مکان کو تالا لگا کر دفتر میں چلی جاتی ہیں۔ جب بچے کو بھوک لگتی ہے۔ وہ خود چوسنی اٹھا کر منہ سے لگا لیتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اگر ماں دو منٹ کے لئے بھی

بچے سے الگ ہو

تو وہ اتنا شور مچاتا ہے۔ کہ آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ماں بچہ کو الگ نہیں کرتی۔ اُسے ہر وقت اپنے ساتھ چمٹائے پھرتی ہے۔ بچہ پیدا ہوا۔ اور اُسے گود میں ڈال لیا۔ اور پھر تین چار سال تک اُسے گود میں اُٹھائے پھرتی ہیں بلکہ ہمارے ملک میں تو پانچ پانچ سال تک لاڈلے بچوں کو اُٹھائے پھرتی ہیں۔ یہ سارے رواج اس قابل ہیں کہ ان کو بدلا جائے۔ جب تم ہمت کر کے ان رسوم کو بدلو گی۔ تو آہستہ آہستہ باقی عورتوں میں بھی تمہارے پیچھے چلنے کا شوق پیدا ہو جائیگا۔ میں نے بتایا ہے کہ سب سے پہلے

روٹی پکانے کا طریق

میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ عربوں میں بھی بازار سے روٹی منگوانے کا طریق ہے۔ مگر وہاں تنور کی خمیری روٹی ہوتی ہے۔ انگریزی روٹی کا رواج نہیں جتنے ملکوں میں بازار سے روٹی منگوانے کا طریق رائج ہے۔ اُن سب میں خمیری روٹی کھائی جاتی ہے خمیری روٹی ہمیشہ تازہ ہی پکا کر کھانی پڑتی ہے۔ بہرحال بغیر اس کے کہ روٹی کا سوال حل ہو۔ ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں۔ اور بغیر اس کے کہ بچہ پالنے کے طریق میں تبدیلی ہو ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں جب تک بچہ گود میں رہے گا۔ یا ماں بیکار رہنے پر مجبور ہو گی۔ یا بیٹی مجبور رہے گی۔ کام کے لئے فراغت اُسے اُسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب بچہ کو پیدا ہوتے ہی پنگھوڑے میں ڈال دیا جائے۔ اور پھر وقت پر اُسے دودھ پلا دیا جائے۔ گود میں اُسے نہ اُٹھایا جائے۔ غرض جب تک یہ سوال حل نہیں ہوتا۔ ماں کی زندگی بیکار رہے گی۔ اور جب تک کھانے کا سوال حل نہیں ہوتا عورت کی زندگی بیکار رہے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزانہ چار وقت کے کھانے کی بجائے صرف دو وقت کا کھانا رکھ لیا جائے۔ اور ناشتہ کا کوئی سادہ دستور نکالا جائے۔ اور کھانے ایسے تیار کئے جائیں۔ جو کئی کئی وقت کام آ سکیں۔ اور روٹی بازار سے منگوالی جائے۔ لیکن اگر صبح شام کھانا پکانے برتن مانجھنے کا کام عورت کے ہی سپرد رہے گا۔ تو وہ بالکل بیکار ہو کر رہ جائے گی۔ اور کسی کام کے لئے وقت صرف نہیں کر سکے گی۔

پس جہاں دینی مسائل کو مد نظر رکھنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ وہاں ان

عائلی مشکلات کو حل کرنا

بھی تمہارے لئے ضروری ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تنزل اور ان کے انحطاط کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ جب ان کے پاس دولت آ گئی۔ تو انہوں نے اس قسم کے مشاغل بیکاری کو اختیار کر لیا۔ گھروں میں مرد بیٹھے چھالیہ کاٹ رہے ہیں۔ گلوریاں بنا رہے ہیں

اور عورت بھی کھانے پکانے میں مصروف ہے۔ کبھی یہ چیز تلی جا رہی ہے۔ کبھی وہ چیز تلی جا رہی ہے، کبھی کہتی ہے۔ اب میں چٹنی بنا لوں۔ کبھی کہتی ہے اب میں میٹھا بنا رہی ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ تو کھانے تیار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور حکومت انگریزوں نے سنبھال لی۔ یہ مصیبت صرف ہندوستان میں ہے۔ باہر نہیں عرب میں جا کر دیکھو سارا عرب بازار سے روٹی منگواتا ہے

مصر میں جا کر دیکھ لو

سارا مصر بازار سے روٹی منگواتا ہے۔ اور سالن بھی وہ گھر پر تیار نہیں کرتے بازار سے ہی منگوا لیتے ہیں وہاں لوبیا کی پھلیاں بڑی کثرت سے ہوتی ہیں۔ صبح کے وقت مکہ میں چلے جاؤ۔ قاہرہ میں چلے جاؤ۔ بازاروں میں لوبیا کی دیگیں تیار ہونگی۔ اور ہر شخص اپنا برتن لے جائے گا۔ اور تنور کی روٹیاں اور لوبیا کی پھلیاں لے آئے گا۔ غریب اسے یونہی کھا لیتے ہیں ـــــ اور امیر آدمی گھی کا تڑکا لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح دوپہر کے وقت روٹی بازار سے آتی ہے۔ اور سالن کے طور پر بھی وہ کوئی سستی سی چیز لے لیتے ہیں۔ اور گذارہ کر لیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں یہ حالت ہے۔ کہ لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم وہ مال رکھنا چاہتے ہیں۔ جو ایک سیر آٹے میں اتنی پھلکے پکا سکتی ہو۔ بازاروں نے اپنا کام کو اس طرح ہلکا کر لیا کہ سیر آٹے میں چھ روٹیاں تیار کر لیں۔ اور انگریزوں نے سیر میں چار اور بعض دفعہ دو۔ اور انہوں نے اپنے کام کو اس طرح بوجھل بنا لیا کہ اتنی اتنی پھلکے بنانے لگے۔ یہ سب شغل بیکاری ہیں۔ جن کو دور کرنا پڑیگا اور جن کو دور کر کے ہی تم اپنا وقت بچا سکتی ہو۔ آخر

علم کے استعمال کے لئے

تمہارے پاس وقت چاہیئے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا۔ کہ تمہارے پاس کچھ بھی وقت نہ بچا تو تم نے کرنا کیا ہے۔ پس پہلا سوال وقت کا ہے۔ تم کو اپنی زندگی ایسی بنانی پڑے گی۔ کہ تم ان کاموں کے لئے اپنے اوقات کو فارغ کر سکو پھر تمہارے لئے آسانی ہی آسانی ہے۔ اور تم اس وقت سے فائدہ اٹھا کر بیسیوں ایسے کام کر سکتی ہو۔ جو تمہاری ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ پس یہ مسئلہ بھی تمہیں ہی حل کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم حل کر لو تو تمہاری مائیں آپ ہی آپ تمہاری نقل کرنے پر مجبور ہونگی۔ ہم نے دیکھا ہے لڑکی پرائمری پاس ہوتی ہے۔ تو جاہل مائیں اپنی لڑکی کے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں۔ کہ ہماری یہ بیٹی پرائمری پاس ہے۔ بڑی عقلمند اور ہوشیار ہے۔ اگر وہ بیں اپنی پرائمری پاس لڑکیوں کی بات رد نہیں کر سکتیں۔ تو تم تو بی اے ہو گی۔ تمہاری بات وہ کیوں ماننے کے لئے تیار نہیں ہونگی۔

یہ کام جو میں نے بتایا ہے۔ اسے معمولی نہ سمجھو۔

یہی وہ چیز ہے

جس نے ہمارے ملک کی عورت کو بیکار بنا دیا ہے دوسری قوموں نے تو اس مشکل کو حل کر لیا۔ اور چھ سات گھنٹے بچا لئے۔ لیکن تمہیں کھانے پکانے کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اگر تم بھی چھ سات گھنٹے بچا لو۔ تو یقیناً تم اُن اقوام سے بہت زیادہ ترقی کر سکتی ہو۔ کیونکہ وہ اگرچہ گھنٹے بچاتی ہیں۔ تو دو گھنٹے قومی کاموں میں صرف کرتی ہیں۔ اور چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کرتی ہیں۔ لیکن تم اپنا سارا وقت قومی اور مذہبی کاموں میں صرف کرو گی اس لئے یورپ کی عورت کے مقابلے میں تمہیں اپنے کاموں کے لئے تین گنا وقت مل جائے گا۔ اور جب وہ چھ گھنٹوں میں سے چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کریگی اور تمہارا تمام وقت خالص دینی کاموں میں صرف ہوگا۔ اور اس طرح تم اُن سے تین گنا کام کرو گی تو تمہاری فتح یقینی ہے۔ کیونکہ وقت کے لحاظ سے یورپ کی تین تین عورتوں کے مقابلے میں تمہاری ایک ایک عورت ہوگی اس وقت تمہاری سو عورت بھی یورپ کی ایک عورت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ تمہارا علم بھی کم ہے اور تمہارے پاس اپنے قومی کاموں کیلئے وقت بھی نہیں بچتا لیکن جب تم علم حاصل کر لو گی اور

قومی کاموں کے لئے وقت

بھی ان سے زیادہ صرف کرو گی۔ تو تمہاری ایک عورت کے مقابلہ میں یورپ کی سو عورت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھے گی جب تک یورپ کا ماحول ایسا ہے۔ اور اُس کا طریق عمل ایسا ہے۔ کہ اُس کی ایک عورت تمہاری سو عورت کے برابر ہو گی اُس کا جیتنا یقینی ہے۔ لیکن جب تم اپنے آپ کو ایسی بنا لو گی کہ تمہاری ایک عورت اُن کی سو عورت کے برابر ہو گی تو پھر تمہارا جیتنا یقینی ہے۔

ان ریمارکس اور نصیحتوں کے ساتھ میں اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہوا کالج کا افتتاح کرتا ہوں اور

اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتا ہوں کہ وہ ہمارے زنانہ کالج کی اس چھوٹی سی بنیاد کو اپنی عظیم الشان برکتوں سے نوازے اور یہ چھوٹا سا ادارہ دنیا کے تمام علمی اداروں پر چھا جائے۔ اس کے بعد حضور نے لمبی دعا فرمائی۔ اور یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

جتنا پائیں گے بہت اتنا ہی کھوئیں گے بہت

آج ہنستے ہیں بہت جو، کل وہ روئیں گے بہت
خونِ ناحق رنگ لائے گا جو دھوئیں گے بہت
جھوٹ سے اک لحظہ تسکیں پا تو لیتے ہیں مگر
جتنا پائیں گے بہت اتنا ہی کھوئیں گے بہت
یہ جہاں کشتِ عمل ہے، اور ہم دہقان ہیں
اتنا کاٹیں گے بہت جتنا کہ بوئیں گے بہت
زندگانی درحقیقت جاگنے کا نام ہے
اتنی کم ہو جائے گی جتنا کہ سوئیں گے بہت
ناخدا تنویر ہیں اور بحر ناپیدا کنار
آپ بھی ڈوبیں گے حضرت اور ڈبوئیں گے بہت

ریزولیوشن برائے موصیان

"موصیوں سے اصل آمد معلوم کرنے کے لئے دفتر سے بطور قاعدہ صرف دو مرتبہ لکھا جانا کافی ہے۔ پہلی مرتبہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کی معرفت فارم بھجوائے جائیں۔ اور ان کی نقل براہِ راست موصیوں کو پھر ایک ماہ کے بعد موصی کو براہِ راست بصیغہ رجسٹری فارم بھیجے جائیں۔ اور اس کی اطلاع مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کو بھی دی جاوے۔ اس کے بعد اگر موصی کی طرف سے ایک ماہ تک جواب نہ آئے۔ تو حسب تجویز منسوخی وصیت کے لئے رپورٹ مجلس کارپرداز میں پیش کی جاوے۔" (سیکرٹری مجلس کارپرداز ربوہ)

تحریکِ جدید دفتر دوم

اور

خدام الاحمدیہ

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد ہے۔

"سو میں سب سے پہلے ان کے (یعنی خدام الاحمدیہ کے) سپرد یہ کام کرتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ایمان کا ثبوت دیں گے اور آگے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ اور کوئی نوجوان ایسا نہیں رہے گا۔ جو دفتر دوم میں شامل نہ ہو۔ اور کوشش کریں کہ ساری کی ساری رقم وصول ہو جائے۔"